شہادتِ حسینؓ کا تاریخی پس منظر

اور حادثہ کربلا کے نتائج

جناب ڈاکٹر احمد سجاد رانچی

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ النَّاسِ وَاَبْشَرِ النَّاسِ، اِنَّ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ رَجُلاً عَمِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ عَلٰی ظَہْرِ فَرَسِہٖ اَوْ ظَہْرِ بَعِیْرِہٖ اَوْ عَلٰی قَدَمِہٖ حَتّٰی یَاْتِیَہُ الْمَوْتُ وَاِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلاً یَقْرَءُ کِتَابَ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَرْعَوِیْ بِشَیْءٍ مِّنْہُ۔ (رواہ النسائی)

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ بتاؤں کہ بہترین لوگ کون ہیں، اور بدترین لوگ کون ہیں؟ بہترین لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو راہِ خدا میں سرگرمِ عمل رہے۔ چاہے گھوڑے کی پشت پر یا اونٹ کی پیٹھ پر یا پیادہ، یہاں تک کہ اُسے موت آجائے اور بدترین لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب پڑھے اور اس کے باوجود غلط کاموں سے اجتناب نہ کرے۔

اگر غور کریں تو مذکورہ بالا حدیث صحیح کی روشنی میں بھی شہادتِ حسینؓ کے پس منظر اور نتائج تک ہم بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی اپنے وقت کے بہترین لوگ راہِ خدا میں بدترین لوگوں کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔ کیونکہ ظالموں نے اللہ کی کتاب پر ایمان لانے کے باوجود غلط کاریوں سے بچنے کی روش اختیار نہیں کی تھی۔ اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو نہ صرف حادثۂ کربلا رونما نہ ہوتا بلکہ تاریخِ انسانی

آج اس قدر تشویش ناک حد تک بدنما نہ ہوتی اور نہ عالمِ اسلام تمام نعمتوں کے باوجود ایسا ذلیل و خوار ہوتا اور نہ شاعرِ مشرق کو اس ماتم کی ضرورت پڑتی۔

ع ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

سچ پوچھیے تو میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؓ اور خاندانِ امام حسینؓ کے لہو کی ارزانی ہی نے آج تک خونِ مسلمان کو اس قدر ارزاں اور عالمِ انسانیت کو لرزاں و حیراں کر رکھا ہے۔

مولانا ابوالسلام آزاد نے ایک موقع پر بالکل صحیح کہا تھا:

”حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ تاریخِ اسلام میں ہمیشہ خون آلود حرفوں میں لکھا گیا اور اشک بار آنکھوں سے پڑھا گیا۔ لیکن اس دردانگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعتِ اسلامیہ کی بے شمار بصیرتیں مضمر تھیں، جن کو خون کی ان چادروں نے چھپا دیا اور ہزاروں اسوہ ہائے حسنہ مخفی تھے، جو آنسوؤں کے سیلاب بہا لے گئے۔“[1]

شہادتِ حضرت امام حسینؓ کی مضمر بصیرتوں میں اس کے منفی اور مثبت دونوں پہلو درس آموز ہیں بعض منفی نتائج کی طرف ابتدا ہی سے چند اشارے کیے گئے، مگر اس واقعہ شہادت کے اندر عزم و استقلال، صبر و ثبات، استبداد شکنی، قیامِ خلافت و جمہوریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جو عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں ان کی تاریخ ساز اہمیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس ضمن میں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ چند افراد یا ایک بڑے خاندان کا کسی وجہ سے بھی مظلوم و مقتول اور شہید ہو جانا آخر تاریخِ انسانی کا اس قدر مہتم بالشان واقعہ کیسے بن گیا؟

کربلا کا یہ حادثۂ فاجعہ انسانی اور اسلامی تاریخ کا اس لیے ایک سنگِ میل بن گیا کہ خدا کا آخری دین، دینِ اسلام اپنی تمام نظری و عملی خیر و برکت کے ساتھ خلافتِ راشدہ کے تیس سالہ دور میں عملاً عالمِ اسلام میں قائم ہو چکا تھا۔ رضائے الٰہی کی خاطر فرد کی تربیت، معاشرہ کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل نیز عدل و قسط کے قیام، آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ فکر، اخوت و مساوات، مظلوم و محروم طبقات اور گروہوں کے حقوق کی بازیافت اسلامی مملکت کے حدود میں نافذ ہو چکی تھیں اور یہ خُلُون

---

[1] بحوالہ تکبیر کراچی ش۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء ص ۱۰

فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا ظہور بھی ہو چکا تھا۔ ان اعمالِ حسنہ میں استحکام و استمرار کی وجہ اصلاً یہ تھی کہ ان کے نفاذ میں فقط وعظ و ارشاد اور مسجد و منبر کے در و دیوار کا سہارا نہیں لیا جا رہا تھا۔ بلکہ فساد کی اصل جڑ سیاست و اقتدار کو خلافت و جمہوریت میں تبدیل کیا جا چکا تھا۔ دین و سیاست کے ڈانڈے ملائے جا چکے تھے جس کے نتیجے میں خلافت راشدہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات واضح ہو کر سارے عالم میں محسوس کی جا رہی تھیں۔

— اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کی رُو سے بادشاہت اور ملوکیت کی جگہ انتخابی خلافت اور اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں آیا۔

— مشاورتی نظام اور شورویٰ حکومت کی عملداری شروع ہوئی اور خلفائے راشدین نے جانشینی کے قبیح طریقے کو قرآن و سنت کی روشنی میں ترک کر دیا۔

— معاشرے کے ہر فرد پر قانون کی بالادستی اس طرح نافذ کی گئی کہ علی الاعلان ایک بڑھیا بھی حضرت عمر فاروقؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان کا احتساب کرنے لگی۔

— معاشی عدل قائم ہوا۔

— فتوحات میں بربریت و بہیمیت کی جگہ رُوحِ جہاد پیدا ہو جانے کی وجہ سے انسانی جان و مال کی حفاظت اور ان کی صلاح و فلاح کو مقدم رکھا گیا۔

— پوری مملکتِ اسلامیہ میں تمام تر خوشحالیوں کے باوجود دین کی اخلاقی تعلیمات کو جاری و نافذ کرنے کی تدابیر روبعمل لائی گئیں۔

— ذمیوں اور غلاموں کی عزتِ نفس اور انسانی حقوق کی بالادستی کو مقدم رکھا گیا۔

— حکومت اور اس کی مشینری کو خدا اور خلقِ خدا کی امانت تصوّر کیا گیا۔

— حکومت اور اس کی مشینری کو ہر قسم کی قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے پاک کیا گیا۔

— عرب کا یہ اسلامی انقلاب محض تیس سال کے مختصر عرصہ میں ایک بین الاقوامی انقلاب بن گیا۔ کیونکہ روم و ایران کی مہذب ترین اور طاقتور ترین قومیں ان محاسن کو دیکھ کر جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔

— غرض خلافتِ راشدہ کا دورِ حکومت اپنے مثبت اور ٹھوس کارناموں اور منفرد خصوصیات

کی وجہ سے آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثالی اور قابلِ تقلید بن گیا۔ اور آج بھی اسلامی دُنیا میں اس کی یہ حیثیت برقرار ہے۔ چنانچہ آج بھی جو مسلم حکومت اپنی خصوصیات میں خلافتِ راشدہ سے جتنی زیادہ مشابہ اور قریب تر ہے اتنی ہی اس میں کم خرابیاں نظر آتی ہیں اور جو حکومت جتنی زیادہ مختلف ہے اس میں اتنی ہی زیادہ خرابیاں نظر آتی ہیں۔

لہٰذا غور کیجیے تو خلافتِ راشدہ حقیقت میں محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی بلکہ نبوت کی مکمل نیابت تھی۔ یعنی اس کا کام صرف اتنا ہی نہ تھا کہ مُلک کا نظم و نسق چلائے، امن قائم کرے اور سرحدوں کی حفاظت کرے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں معلّم، مربّی اور مرشد کے وہ تمام فرائض انجام دیتی تھی، جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی حیاتِ طیبہ میں انجام دیا کرتے تھے اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ دارالاسلام میں دینِ حق کے پورے نظام کو اس کی اصلی شکل و رُوح کے ساتھ چلائے اور دُنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت پر لگا دے، اس بنا پر یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ وہ صرف خلافتِ راشدہ ہی نہ تھی خلافتِ مرشدہ بھی تھی[1] بقول ایک مفکرِ اسلام کے:

"بر صورتِ حال اگر ڈیڑھ دو صدی بھی باقی رہ گئی ہوتی تو شاید دُنیا میں کفر باقی نہ رہتا یا اگر رہ بھی جاتا تو کبھی سر اُٹھانے کے قابل نہ ہوتا"[2]

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی اسی مثالی سیاست کو یزید کی ولی عہدی سے جب ظالمانہ ملوکیت کی شکل دی جانے لگی تو اس بگاڑ اور انحراف کو دُور کرنے کے لیے حضرت امام حسینؓ نے پورے خانوادۂ رسولؐ کے ساتھ میدانِ کربلا میں اپنی جان نثار کر کے یہ مثال قائم کر دی کہ اب حکومت و سیاست کی ظاہر میں خواہ کیسی ہی مقدس صورت ہو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یا حکومتِ الٰہی سے کم تر پر مسلم اُمت قیامت تک کبھی راضی نہیں ہو سکتی۔

مگر اتنی منظم اور مثالی تیس سالہ خلافت یکایک ملوکیت کے قالب میں نہ ڈھل سکتی تھی نہ ڈھلی بلکہ بتدریج مزید تیس سال تک بعض اجتہادی غلطیوں، کمزوریوں، غلط فہمیوں، سازشوں، عصبیتوں

---

[1] خلافت و ملوکیت، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ص ۱۰۵

[2] ایضاً " ص ۲۰۵

نفاق اور باہمی خانہ جنگیوں کے مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد یزید کی ملوکیت قائم اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت واقع ہوئی۔

ان غلطیوں اور کمزوریوں کا ظہور خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے وقت سے شروع ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے جو اپنے فیاضانہ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کے لیے تاریخِ اسلام میں مشہور و معروف ہیں جب اپنے اس ذاتی حسنِ عمل کو منصبِ خلافت پر پہنچ کر عہدوں اور خمس کی تقسیم یا بیت المال سے امداد کے معاملے میں بلاشبہ کوئی غیر شرعی کام تو کبھی نہیں کیا مگر تدبیر کے لحاظ سے وہ احتیاط نہ برت سکے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں برتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے عہدِ حکومت میں حضرت علیؓ کے سوا بنی ہاشم میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنے پورے زمانۂ خلافت میں اپنے قبیلے یا خاندان کے کسی شخص کو سرے سے کسی منصب پر مامور ہی نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دس سالہ عہد میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹا سا عہدہ دیا اور پھر جلد ہی سبکدوش کر دیا۔ مگر ان روایات کے برخلاف حضرت عثمانؓ نے ریاست کا سربراہ بننے کے بعد اپنے ہی خاندان کے ایک فرد اپنے چچازاد بھائی مروان بن الحکم کو حکومت کے تقریباً چیف سیکریٹری کی حیثیت کا عہدہ دار بنا دیا۔ اور جزیرۃ العرب کے باہر کے تمام اسلامی مقبوضات پر اپنے ہی خاندان کے گورنر مقرر کر دیئے۔ واضح رہے کہ اس زمانے کے نظم ونسق کی رُو سے افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقے مصر کے گورنر کے ماتحت، شام کا پورا علاقہ دمشق کے گورنر کے ماتحت اور عراق، آذربائیجان، آرمینیہ اور خراسان و فارس کے تمام علاقے کوفہ و بصرہ کے گورنروں کے ماتحت تھے۔

حضرت عثمانؓ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ کوفہ کا گورنر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرما دیا۔ اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر مامور تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں

دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔[1]

اس حقیقت کے علاوہ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے بیشتر افراد طُلَقا میں سے تھے جو حضورؐ کی آخر وقت تک مخالفت کرتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں معافی دی گئی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہونے کے بعد ایک بار مُرتد ہو چکے تھے۔ ممکن ہے کہ ان میں اعلیٰ درجے کی انتظامی اور ملک گیری کی صلاحیت ہو، مگر حضورؐ کی صحبت و تربیت سے انہیں استفادہ کا وہ موقع نہ مل سکا جس سے ان کی قلبِ ماہیت ہو جاتی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آگے چل کر ان کی کمزوریاں بتدریج رنگ لانے لگیں۔ ان حضرات نے حضرت عثمانؓ کی نرمی اور مروّت سے فائدے اُٹھائے جن سے سابقین اولین اور عامۃ المسلمین کو بجا طور پر شکایتیں ہوئیں۔ اوروں کو تو جانے دیجیے خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہؓ نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت، نہ محبت"۔[2]

حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کا مسلسل ۱۶-۱۷ سال تک گورنر رہنے دیا گیا۔ جس سے وہ اس قدر طاقت ور ہو گئے کہ حضرت علیؓ کے وقت میں مرکز کے مقابلے میں تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کئی موقعوں پر بیت المال کے عطایا اور مصر کے خمس کی تقسیم پر بھی اکابر صحابہ معترض ہوئے۔ مرکز سے دُور کے علاقوں میں حکام نے جب بعض اُمور میں من مانی شروع کر دی تو وہاں بد دلی پھیلنے لگی۔ اس بد دلی کو سبائیوں، خارجیوں اور دوسرے سازشی گروہوں نے مزید ہوا دی اور عراق کی فضا گرم ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کے پاس شکایتیں موصول ہوتیں تو مروان اصلاحِ حال کے بجائے مغالطہ کا باعث بنتے۔ چنانچہ خرابیاں بڑھتے بڑھتے شورش میں بدل گئیں اور ظالموں نے بالآخر

۱ خلافت و ملوکیت - سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ - ص ۱۰۸

۲ الطبری جلد ۳ ص ۲۹۷-۲۹۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۳-۱۷۲ بحوالہ خلافت و ملوکیت ص ۱۱۶ -

حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ جن حالات میں خلیفہ چہارم منتخب ہوئے اُس وقت صورت یہ تھی کہ ایک طرف تو دو ہزار شورشی دار الخلافہ پر مسلط تھے، جن کے حامی مصر، بصرہ اور کوفہ میں بھی تھے۔ دوسری طرف مرکز میں با اثر صحابہ کرام کے ایک گروہ نے غیر جانب داری کی روش اختیار کی اور تیسری طرف بصرے اور شام میں حضرت معاویہؓ کی طاقت ور فوجیں حضرت علیؓ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئیں۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ تو عین حالتِ جنگ میں اپنی غلطی مان کر میدان سے ہٹ گئے۔ حضرت عمارؓ کی شہادت نے یہ حقیقت اور واضح کر دی کہ باغی کون ہے اور حق پر کون ہے اور حضرت عائشہؓ تو بعد میں اپنی غلطی پر عمر بھر پچھتاتی رہیں۔ اِن اجتہادی غلطیوں نے خلافتِ اسلامیہ کی چولیں ہلا دیں۔

مگر حضرت عمر بن العاصؓ نے جنگِ صفین میں قرآن کو نیزوں پر اُٹھوا کر اور دومتہ الجندل میں تحکیم کی کارروائی پر تو اور بھی غضب کیا۔ مؤرخین نے تو اسے اجتہادی کارروائی ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی مملکت شام کی حدود میں سب وشتم کا جو سلسلہ شروع کر دیا اس نے ملت اور خلافت کی رہی سہی آبرو کو ختم کر دیا۔ ابن ملجم خارجی کے قاتلانہ حملے سے حضرت علیؓ کی شہادت واقع ہو گئی تو دار الخلافہ میں حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ مگر حضرت امیر معاویہؓ عراق پر حملہ آور ہو گئے۔ آخر امام حسنؓ نے ملت میں خانہ جنگی کے بجائے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں اپنی خلافت سے دستبردار ہونے کو ترجیح دی۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب حضرت معاویہؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو انہیں السلام علیک ایھا الملک کہہ کر خطاب کیا[1]۔ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انا اول الملوک[2] (میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں)۔ یوں بقول حضرت ابو موسیٰ اشعری:

"امارت (خلافت) وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔"

[1] ابن الاثیر۔ جلد ۳ ص ۴۰۵۔ بحوالہ خلافت و ملوکیت ص ۱۴۷

[2] الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۴۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵۔ بحوالہ خلافت و ملوکیت ص ۱۴۸

اور حضرت معاویہ نے تلوار کے زور سے اپنی بادشاہی قائم کر لی۔ اتنا ہی نہیں آگے چل کر موصوف نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے فوری طور پر دوبارہ بحال ہونے کے تمام امکانات کو ختم کر دیا۔

یزید کی جانشینی کے وقت (۶۰ھ) پانچ صحابیوں نے کھل کر مخالفت کی مثلاً حضرت حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمن بن ابوبکرؓ۔ آخرالذکر نے صاف کہہ دیا کہ یہ طریقہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا نہیں قیصر و کسریٰ کا ہے۔ یہیں سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل سلسلہ چل پڑا۔ اور بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ اور ملت کا اجتماعی شعور بحران کا شکار ہو گیا۔ کیونکہ خود عرب جو اسلامی خلافت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، اپنی لسانی، نسلی اور مذہبی یک جہتی کے باوجود قبائلی عصبیت کے جذبے سے ابھی تک خود کو پوری طرح آزاد نہیں کر سکے تھے۔ اس لیے امیر معاویہؓ اپنی ملوکانہ اسکیم میں نہ صرف کامیاب ہو گئے بلکہ آگے چل کر محض بیس پچیس برسوں کے اندر اندر ظلم و جور کی ہر طرف ایسی حکمرانی ہو گئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک موقع پر تقریباً چیخ اٹھے کہ:

"عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرۃ بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حیان اور مکہ میں خالد بن عبداللہ قسری، خداوندا تیری دنیا ظلم سے بھر گئی ہے اب لوگوں کو راحت دے۔"[۱]

سلیمان بن عبدالملک کی موت کے بعد (۹۹ھ) اس کی وصیت کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب حکومت (۹۹ تا ۱۰۱ھ = ۲ سال ۵ ماہ) ملی تو انہوں نے اس حکومت کو خلافت میں تبدیل کر دیا۔ اور ظلم و ستم کی ماری دنیا کو راحت دینا چاہی تو بالآخر زہر دے کر شہید کر دیے گئے۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن و سنت کے فیض اور اکابرینِ امت کی ایثار سے تیس سالہ عہد خلافت کے برکات کو آج تک کھرچ کے پھینکا نہ جا سکا ہے اور اس کے خوش گوار اثرات غیر محسوس طور پر ہنوز اپنا کام کر رہے ہیں۔ مگر امیر معاویہؓ اور یزید کے نظام ملوکیت کی وجہ سے اسلامی دنیا اُن

[۱] ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ۔ ثروت صولت۔ جلد اول ص ۱۴۹

نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہو گئی جو خلافتِ راشدہ کی خصوصیات تھیں۔ (جن کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔) اور اسلامی دُنیا کے سیاسی ڈھانچے میں حسبِ ذیل خرابیاں نمودار ہو گئیں۔

ا ۔ حکمرانی کا قرآنی معیار اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ باقی نہیں رہا۔ جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں تھا۔ اب دمشق کے حکمرانوں نے ایران اور رُوم کے بادشاہوں کی طرح شاہانہ زندگی اختیار کر لی۔

۲ ۔ بیت المال اب رعایا کی امانت نہیں رہا بلکہ بادشاہوں کا ذاتی خزانہ بن گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے محل پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تبصرہ کرنے کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا۔

"اگر آپ نے یہ محل بیت المال کی رقم سے بنایا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر ذاتی مال سے بنایا ہے تو فضول خرچی کی ہے"۔

۳ ۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں اظہارِ رائے کی آزادی کا یہ حال تھا کہ ایک بڑھیا کو بھی خلیفۂ وقت کے محاسبہ کی آزادی تھی مگر اب حق گوئی کی سزا قید اور قتل ہوتی تھی۔

۴ ۔ عدالت میں مداخلتِ بے جا کا سلسلہ شروع ہوا۔

۵ ۔ شورائیت کا خاتمہ ہو گیا۔

۶ ۔ قانون کی بالا تری سے انکار کر دیا گیا اور دین و سیاست عملاً ایک دوسرے سے آزاد ہو گئے۔

۷ ۔ قومیت و شعوبیت اور نسلی عصبیت کی وجہ سے حکمران امیر المؤمنین کے بجائے امیر العرب بن گئے۔

۸ ۔ ملوکیت نے ملت کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا۔ حکمران، علماء، مفتی، قاضی، صوفیاء وغیرہ۔ یہی تقسیم آگے بڑھ کر دینِ اسلام کی تقسیم پر منتج ہوئی۔

حضرت امام حسینؓ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے شہید ہو کر ملوکیت کی مندرجہ بالا خرابیوں کو قیامت تک کے لیے چیلنج کر دیا۔ انھوں نے میدانِ کربلا میں خاندان سمیت موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیعت کے بجائے ابن زیاد کے سامنے جو تین باتیں رکھیں وہ یہ تھیں :

ا ۔ ہمیں یزید کے پاس جانے دو یا (۲) سرحدوں کی طرف جانے دو یا (۳) مدینہ واپس جانے دو۔

بالآخر امام حسینؓ شہید ہو گئے، مگر کسی ظالم حکمران کے ہاتھ پر بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب افکار مفلوج ہو رہے تھے، بعض بھاری بھرکم شخصیتیں بک چکی تھیں۔ وفادار تنہا رہ گئے تھے۔ پرہیزگاروں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ جوان یا تو مایوسی کا شکار ہو چکے تھے یا بک چکے تھے۔ بڑے بوڑھے اور بزرگ افراد یا تو شہید کر دیے گئے تھے یا خاموش ہو گئے تھے یا کر دیے گئے تھے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے آپ کو فروخت کر چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عوام کی کوئی احتجاجی آواز سننے میں نہیں آ رہی تھی۔ قلموں کو توڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ زبانیں کاٹی جا رہی تھیں۔ ہونٹ سیے جا رہے تھے۔ حق و حقیقت کے تمام مراکز وفاداروں کی نابودی کے سبب ویران ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس سناٹے میں حضرت امام حسینؓ اور ان کے اہل خاندان نے اپنے نانا پر وحی شدہ آیات کو جنھیں فراموش کیا جا رہا تھا اپنے اجتماعی خون سے ناقابل فراموش بنا دیا۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ - (الصف:۱۱)

”تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔“

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ
(توبہ : ۲۰)

”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں کامیاب ہیں۔“

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ ۱۵۴)

”مقتول فی سبیل اللہ کو مُردہ مت کہو، بلکہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔“

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آل عمران۔۱۶۹-۱۷۰) (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مُردہ نہ سمجھو وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُس پر خوش ہیں)

ملوکیت کے منہ کو حضرت امام کا یہ خون اس طرح لگ گیا تھا کہ ذاتی مصالح پر اُمت و حکومت کے مصالح کو بھی آگے چل کر نہایت بے دردی سے مسلسل قربان کیا گیا۔ اور کرۂ ارضی کو فتح کر لینے والے مجاہدین کے ہاتھوں کو بھی قلم کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی گئی۔ قتیبہ کو چین، محمد بن قاسم کو ہندوستان اور موسیٰ بن نصیر کو پورا یورپ فتح کرنے سے قبل ہی محض خود غرضیوں کی بنا پر اسٹیج سے ہٹا کر اسلامی دُنیا کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا گیا۔

شہادت امام حسینؓ کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے سب سے قیمتی متاع جان، جانِ آفریں کو سپرد کرنے کے واقعات ہر دور میں سامنے آتے ہیں، مگر اس غرض کے لیے پورے خاندان بمعہ شہادت و قربانی کی یہ مثال انسانی تاریخ میں سب سے بے نظیر و بے عدیل ہے۔

حضرت موسیٰ سپرِ دنیل کیے گئے مگر بال بال بچے، حضرت ابراہیمؑ آتشِ نمرود کا شکار ہوئے مگر وہ بھڑکتی ہوئی آگ سلامتی کا باعث کر دی گئی، حضرت اسمٰعیلؑ کو راہ خدا میں ذبح کیا جانا تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت عیسیٰ سولی کی طرف بڑھے لیکن بچا لیے گئے۔ غرض خاندانِ نبوت دُنیا کو آباد کرنے کے لیے ہمیشہ اُجڑتا رہا مگر وقتِ واحد میں کسی خاندانِ نبوت کے تقریباً ۷۰-۷۲ افراد نے اس طرح جامِ شہادت کبھی نوش نہیں کیا۔

آج بھی کسی ملک یا سماج میں اسلام اور مسلمانوں کو واقعی سرخروئی اور عزت حاصل کرنی ہے تو لفظی قیل و قال، منطقی مناظرے بازی، برسراقتدار طبقہ کی دلالی، منافقت اور بزدلی کے بجائے سرفروشانہ انداز میں آگے بڑھ کر اسوۂ حسینؓ کو اختیار کر لینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد